حضرت سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ کی ایک یادگار تحریر

اقامتِ دین

آثار و قرائن کہتے ہیں کہ شر القرون کا سیاہ آفتاب، مغرب دجل و ضلالت سے طلوع ہو چکا ہے۔ ہر آنے والی صبح کا غور سے جائزہ لیجئے کہ اس کے دامن میں سوائے ترش رو حوادث اور دلگداز سانحات کے نشاط و مسرت کی ایک مضمحل سی کرن بھی دکھائی نہیں دے گی۔

اہل دنیا کے لئے معاشرتی مدّوجزر اور سیاسی بحران ہی تمام مساعی کا مرکز و محور ہے اور یہی ان کے گردو پیش کا اقتضاء بھی ہے۔ لیکن وہ قابلِ رحم مخلوق جو طاغوت کے سنگین پہرے میں بھی اللہ و محمد کا نام لیتی ہے اس کے وجدان و احساس کے زخمی ہونے کے لئے یہی تیرہ و تار ماحول اور مسموم فضاء کیا کم ہے جس میں ہر لحہ گزراں ایک نئے المیہ کا پیش رو ہو اور جس کی ہر گھڑی شدائد و آفات کے تسلسل اور تواتر سے ہم کنار ہے۔ ہماری حیاتِ قومیہ کا شیرازہ کچھ اس بری طرح سے بکھرا ہے کہ اس کے بے پناہ انتشار کو ربط و نظم کا کوئی تصور بھی سنبھالا نہ دے سکے۔ گناہ میں انفراد ہو تو مذہبی فکر اس کے نتائج کی تحدید کرتا ہے۔ لیکن جب معصیت سوادِ اکبر کے مجموعی کردار میں تحلیل ہو جائے تو عقل و مشاہدہ بھی اس کے عواقب کی پیشانی پر شقاوت و خسران کی غبار نما تحریر کو بسہولت پڑھ لیتے ہیں۔ پھر اس اجتماعی دق کا ایک آخری درجہ ہے جس میں "تجدید و اصلاح" کا انتہائی تریاق بھی اپنی سرائیت اور عملیت میں دم توڑنے لگتا ہے۔ صورت یہ ہو کہ قوم کسی "جورِ مسلط" کی حتمی اتباع میں غیر شعوری طور پر مائل الحاد ہو جائے مگر جب طغیان و تحدی کا بھوت اولوالامر ملت کا لبادہ اوڑھ کر ننگا ناچ شروع کر دے اور کارخانہ امر و نہی سے حرام کی حلت اور حلال کی حرمت کے کل پرزے شریعت کے قالب میں ڈھل کر نکلنے لگ جائیں تو اس جرمِ عظیم کی پاداش میں ایک ایک متنفس ہولناک عذاب کی بھینٹ ہو جاتا ہے۔

حق و باطل کے فطری تضاد نے ہی آج تک زندگی کا کوئی گوشہ تصادم و مزاحمت سے خالی نہیں چھوڑا تھا۔ لیکن وہ "مقدس مخاصمت" جو اختلاف امتی رحمت کی اوٹ سے "مسلسل مناظرہ بازی" اور پیہم تحریف کا معرکہ سرانجام دے رہی ہیں۔ اس نے تو اطمینانِ ظاہر کے ساتھ ساتھ "سکونِ باطن" کو بھی بلا ڈالا ہے۔ زمانہ وہ ہے کہ اگر "احکام بیّنہ" اور "شاعرِ واضحہ" مسخ و محو ہونے سے بچ جائیں تو ایمان سلامت جانیئے اور جفا کیش اہلِ وفا کی روش یہ ہے کہ اختلافِ مسلک کے نام پر فتنہ خیزی میں کوئی کسر اٹھا رکھی جائے تو آخر کیوں؟

یہ حریف نما حامی اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ہماری اس مشترک یلغار کا اثر مدافعت عن الدین کی بجائے مجارحت علی الدین کی صورت میں نمودار ہو رہا ہے۔ کیونکہ مسائل مہمہ سے کلی اعراض برت کر مباحات معمولہ کے اختیار و عدم اختیار میں مین میخ نکالنا اس نتیجے کے سوا اور کوئی ثمر نہیں رکھتا...... کہ ہماری دینی شیرازہ بندی اور اجتماعی تنظیم، فروعی تشتت کے دوش بدوش قومی انتشار کا جامہ اوڑھ لے اور یہی صورتِ حال شعبدہ بازانِ مغرب کا مطلوب

و مقتضیٰ تھا۔ جس نے سیاست افرنگ کے مدّ و جزر سے جنم لیا اور یوں سکونِ روحانیت زیر سایہ تربیت پانے والے قلوب مادیت کے پھیلائے ہوئے تذبذب و اضطراب کے شکنجے میں جکڑے گئے۔ آج ہمارا ماحول افسردہ، روحِ معاشرت علیل ہے۔ تہذیب و ثقافت کی نورانیت سیاہ پوش ہے۔ اخلاق و تقویٰ کی اقدار مجروح ہیں۔ کتاب اللہ مہجور و پس انداختہ ہے۔ عظمتِ دین خفیف سوگوار ہے۔ شعائراللہ ذلیل و رسوا ہیں۔ سنتِ رسول تفریط و غلو کے تھپیڑوں کی زد میں شاکی و گلہ مند ہے۔ آیات و احادیث، تحریف بدامن اجتہاد کی راندش میں بازیچۂ تمسخر و استہزاء بنی ہوئی ہیں۔ احکام بینہ اولی الامر سے لے کر عوام کالانعام تک مردود قابلِ نفرین ہیں۔ تختِ خلافت الحاد کے تسلط میں ہے۔ اولیاء طاغوت قوتِ حاکمہ ہیں۔ اور اسلام محکوم ہے۔ آج حق سے زائد مخفی اور باطل سے زائد اظہر و شائع کوئی چیز نہیں اور نہ ہی خدا و رسول پر افتراء پردازی سے بڑھ کر کسی جنس کا رواج ہے۔ اس عہد شوم میں تاجرینِ انسانیت کے لئے کتاب اللہ سے زائد ہلاکت و خسران آمیز سودا کوئی نہیں جبکہ اس کے منافع کی ٹھیک ٹھیک تشہیر کی جائے اور اس کی قیمت کی کماحقہ تعیین کی جائے اور اسی سودے کی مانگ سب اجناس سے تیز ہوتی ہے۔ جب اس کی تحریف کی جائے اور یہ ہو کیوں نہ جبکہ حاملین کتاب نے اسے خود پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور اس کے نگہبان اسے خود فراموش کر چکے ہیں۔ آج کتاب اللہ اور متبعینِ کتاب دونوں کے دونوں قوم و وطن کے ٹھکرائے ہوئے ہیں۔ اور بلادِ طاغوت میں جلاء وطن کی سزا بھگت رہے ہیں۔ یہ دونوں ادعاء دارانِ اسلام میں تو ہیں لیکن ان میں سے شمار نہیں ہوتے کیونکہ ضلالت و ہدایت کی باہم موافقت ممکن نہیں لیکن جب بھی ہدایت نما ضلالت کا باطل سے اتحاد ہوا ہے قوم کی اکثریت افتراق پر مجتمع ہو گئی۔ اور جماعتِ حقہ سے جدا ہو گئی۔ اور اس وقت تو ایسا معلوم ہوا کہ یہ بے قائد ہجوم اور بدونِ رہبر ازدحام خود کتاب اللہ کا ہادی و امام ہے۔ نہ کہ کتاب اللہ کو ان کی امامت و قیادت کے لئے نازل کیا گیا تھا۔ عقلِ سلیم کیوں نہ باور کرے کہ دین یتیم ہو چکا ہے اور اہلِ دین لاوارث۔ کیونکہ جب خلافت الٰہیہ کا دستور منشاء کفر کے تحت ہو گا اس کی حقانیت کی پرکھ کا معیار کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور جب اتباع باطل کو اطاعتِ حق تسلیم کرانے پر وقت کی قہرمانی مصر ہو تو کتاب و سنت کی صداقت موہوم ہو کر رہ جائے گی۔ عقل و الہام کی یہ غیر مختتم جنگ اپنے جلو میں ہمیشہ خونیں برگ و بار لے کے آئی ہے۔ جن کی سرخی کبھی تو جہادِ حق کی کامرانی و فتح مندی کا غازہ بن کر روئے حیات کو تابناک کر گئی۔ اور کبھی ارمان و آرزوئے مومن کی قربانی کا روپ دھار کر مزار شہداء پر رنگین پھول چڑھا گئی۔ لیکن یہ صورت خیالِ حقیقت واقعہ کا جامہ تب اوڑھتی ہے اگر اجتماعیت مذہب کی شیدائی ہو۔ کتاب اللہ حکم ہو اور قوانینِ شریعت روحِ اعمال میں سرایت کر جائیں۔ قوتِ حاکمہ فیض الہام سے بہرہ ور ہو اور امام معین اطاعت محمد کا اسوۂ بینہ۔ اسی وقت کے لئے تمام بشارات ہیں اور اسی ساعت کے لئے تمام مواعید کہ اس گھڑی ان کی صداقت مجسم ہو جاتی ہے۔ اور قیام و نفاذِ دین ہوتا ہے۔ اس کی احسن ترین شکل وعداللہ الذین آمنوا منکم

رب قدیر نے تم میں سے اصحاب ایمان و عمل صالح کے لئے اس امر کا وعدہ کر چھوڑا ہے کہ وہ انہیں بسیطِ ارض پر (اپنے قانونِ ہدایت کے نفاذ کے لئے) اپنا جانشین بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے بھی اہلِ حق کو اس نے نیابت و

خلافت کے منصب سے نوازا اور انہیں اپنے پسندیدہ دین کی اقامت کے لئے جماؤ اور قوت بھی عطاء کرے گا۔ اور احیاء شعائر الہیہ کے لئے شرور و مفاسد سے پیدا شدہ تمام خطرات کو سکونِ ابدی اور امنِ دائمی کی خوشگواری سے مبدل فرمائے گا۔ یہ وہی لوگ ہیں جو دنیا میں صرف مجھے ہی اطاعت و عبادت کا مرجع گردانتے ہیں۔ اور میری حاکمیت میں کسی طاغوتی نظام کو دخیل و شریک نہیں کرتے۔ اور جو لوگ ان انعامات کے حتمی وعدہ کے بعد بھی اقامتِ دین کی سعی میں مداہنت عمل سے کفرانِ نعمت کا ثبوت دیں وہی بد قسمت، ناقدردان اور احکام سے برگشتہ ہیں۔ (پ ۱۷)

پھر اس جوہر کی حفاظت کے لئے جس ظرف کی حاجت ہے اور اس فضاء کی بقاء و صحت مندی کے لئے جیسے ماحول کی ضرورت ہے اس کے مراتب مختلف ہیں۔ جس تبلیغ کے وسیلہ سے مخلوق کے دل رام ہوئے اور ان کی عقل تسلیم حق کے لئے مسخر ہو گئی اس کا استعمال اختیار و تحکم کے وقت فرض عین ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت اشاعتِ حق کے وسائل سہل الحصول ہوں گے۔ اور حلقۂ شرعِ مبین کی روش محض التفات و سماعت سے ہٹ کر تقبل و انفعال کا رنگ اختیار کر لے گی۔ سو وہ فریضہ جو شدائد و حوادث کے طوفان میں بھی ادا کرنا لازم قرار دیا گیا ہے۔ سازگار ماحول اور موافق فضاء میں اس کی بجا آوری کے داعی واجبات سے بدل جائیں گے۔ جبکہ اعلانِ بالسیف تلقینِ باللسان اور ترغیب بالعمل تینوں ذرائع کا استعمال آزادانہ ہوسکے گا اور امتثال امرِ حق کی ہر صورت قابلِ وقوع ہو گی۔ اور ظاہر ہے کہ انعام کی عظمت و کرامت کے مطابق ہی سبیل تشکر و سپاس تلاش کی جاتی ہے۔ پس مساعدت احوال کی صورت میں اعلاء حق کے لئے شارع اعظم صلی اللہ علیہ وسلمنے حسب ہدایت الہامِ عمل کا جو درجہ موضوع و معین فرمایا ہے اس پر کار بند ہونا فرض اولین ہے۔ اور وہ ہے اصطلاحِ شرع میں "درجۂ عزیمت"...... "عزیمت" سعی کی وہ مرحلہ ہے جہاں سے قافلۂ عزم بلاحاجب و مانع بدون خطر نشان منزل کا سراغ پالینے کے لئے گزر جائے۔ وادیٔ ابتلاء کو عبور کرنے والا داعی و مبلغ حق جہاں خود محسوس کرنے لگے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے نہ تو اس کے قویٔ روحانیت کو ہی کسی پر نفاق نرم روی کا سہارا لینا پڑے گا اور نہ ہی اس کے جوارح نفاذِ احکام اور احیاء شعائر کے لئے کسی قوت اور غلبہ کے استعمال سے عاری کر دیئے جائیں گے بلکہ اقامت دین کی راہ میں ہر مزاحم طاغوتی نظام، قلع فتنہ و فساد کے طور پر اس کی تخریب کی زد میں ہو جو عافیت دارین و فلاح کونین تعمیر کو متضمن ہو گی۔ لہذا اشاعتِ دین کے لئے قوت و غلبہ کے دوش بدوش فروغ پانے والی سعی کی افضلیت و اہمیت واضح ہو گئی۔ جس کے لئے ہم نے سطورِ سابقہ میں اعلانِ بالسیف کی تعبیر سے کام لیا ہے اور جس کے وجود اور وجوب للعمل کی شہادت ارشاد نبوی سے مستنبط ہے۔ من رأى منكم منكراً فليغيره بيده
(تم میں سے جو صاحبِ ایمان، وعملِ صالح برائی کو درپیش پائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس بدی کے ماحول کو قوتِ تدبیر و عمل سے مبدل بصالحیت کر دے۔)

سید ابوذر بخاری

ماہنامہ مستقبل ملتان ربیع الاول ۱۳۶۹ھ جنوری ۱۹۵۰ء